© rasailojaraid.com

ڈاکٹر شاہد مسعود

مشورہ

اور یہ بھی المیہ رہا ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خان جب عشرہ ترقی کے جشن پر قومی وسائل لٹا رہے تھے تو عوام میں ان کے خلاف ایک آتش فشاں پھٹنے کو تیار ہو رہا تھا۔ وہ جن درآمد شدہ اقتصادی ماہرین کی لفاظی اور ان کے معاشی فلسفے کے سحر میں کھو کر اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں سے قوم کو بہلا رہے تھے تو ملک شدید طبقاتی تضادات کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ جس صنعتی تعمیر کو اپنا کارنامہ گردان رہے تھے۔ وہ بدعنوانی کی نئی داستانیں بن کر سامنے آ رہی تھیں اور وہ مشرقی پاکستان میں جب ترقیاتی کارناموں پر فخر کر رہے تھے تو ملک دولخت ہونے کی طرف بڑھ رہا تھا اور تبھی ان کے خلاف جب گلی محلوں میں نعرے لگنا شروع ہوئے تو یہ سمجھنا ان کے لیے دشوار تھا کہ اس احتجاج کا آخر جواز کیا ہے؟ فیلڈ مارشل کو اپنے دور اقتدار کے وہ ابتدائی دن یاد تھے جب عوام کی اکثریت برس ہا برس سے ناکام اور بدعنوان سیاست دانوں کی کشمکش اور اقتدار کے لیے ان کی سازشوں سے بیزار ہو کر انھیں خوش آمدید کہا کرتی تھی۔ ملکی پیداوار میں اضافے کے اعلان سن کر عش عش کیا کرتی اور ان کے وضع کردہ نظام حکومت میں بھرپور شریک بھی تھی۔ آخری تین برسوں میں فیلڈ مارشل کے لیے نئے محاذ کھلتے چلے گئے۔ وہ امریکہ جو ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کو اقتدار تک لانے میں معاون تھا اور جس کی نوازشات کی بارش کئی برس ان پر حاوی رہی۔ اب انھیں ہٹانے کے لیے فعال تھا اور بدقسمتی سے ہماری تاریخ کے ہر حکمران کی طرح ایوب خان بھی ایک ایسے نظام کے تابع ہو چکے تھے جہاں آنکھیں تو ہوتی ہیں بینائی نہیں ہوا کرتی، کان ہوتے ہیں سماعت نہیں ہوتی، دماغ تو ہوتا ہے فراست نہیں اور اختیار تو ہوتا ہے لیکن وہ اس کے مناسب استعمال سے قاصر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اقتدار کے ایوانوں میں خوش گفتار مکڑیاں ہر لحہ ایسے جال بنتی رہتی ہیں جن کے سوتے صرف خوشامد سے ہی پھوٹتے ہیں اور وہ وقت مقررہ پر حکمرانوں کی شعوری کوشش نہ ہونے کے باوجود ان سے کوئی ایسا فیصلہ ضرور صادر کروا دیتی ہیں جو انھیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف دھکیل دیتا ہے اور یہ جملہ میں نے پچھلی تحریر میں بھی لکھا تھا کہ ’’آپ کی اصل طاقت وہ ہوا کرتی ہے جو آپ استعمال نہیں کرتے۔ اور وہ مشورے ہوتے ہیں جنھیں آپ ردّ کر دیا کرتے ہیں۔

ایوب خان کے خلاف جب بین الاقوامی طاقتوں نے اپنا محاذ بنایا تو سول اور ملٹری Establishment کو بھی اس سے باخبر کر دیا گیا تاکہ انھیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ تبھی ان کے نامزد وزیر دفاع اے آر خان نے ۱۹/ مارچ ۱۹۶۹ء کو ان کے خلاف چارج شیٹ پڑھ کر سنائی اور انھی کے نامزد فوجی سربراہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے چھے روز بعد انھیں معزول کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ عجب معاملہ یہ رہا کہ برطرفی سے کئی برس پہلے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ہی ایوب خان کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ امریکہ ان کے ساتھ ہاتھ کر گیا ہے۔ کیوں کہ ایک طرف انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ تھا کہ وہ مقبوضہ کشمیر آزاد کروا کر تاریخ میں امر ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف بھارتی قیادت کو بھی مشورہ تھا کہ جواباً مغربی پاکستان پر حملہ آور ہو جاؤ اور یہ حقیقت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ مجیب الرحمٰن کے دو قابل اعتماد ساتھیوں تاج الدین اور روح القدس نے ''چھ نکات'' کن دستاویزات اور ہدایات کی روشنی میں تیار کیے تھے اور جن کے اعلان پر ۵ر فروری ۱۹۶۶ء کو سیاسی جماعتوں کے کنونشن میں موجود ۹۹ فیصد سیاست دان حیرت زدہ رہ گئے تھے اور پھر آئندہ چند برسوں میں رقم ہوتی تاریخ کے المناک باب آج بھی جیسے خون چوس رہے ہیں۔

برس ہا برس بعد کے موجودہ حالات بڑی حد تک مختلف ضرور ہیں لیکن بہر حال یہ ضرور طے ہے کہ امریکہ اگر صدر مشرف سے کئی امور پر خوش تو کئی پر ناخوش بھی ہے۔ خوشی کے اشاروں میں جلاوطن سیاسی قیادت کا وطن لوٹ کر کسی تحریک کو منظم نہ کرنا، بلوچستان پر خاموشی، جمہوری اور سیاسی عمل پر محض بیانات اور بھارت کی طرف سے ہمارے لیے دوستی کا ہاتھ وغیرہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کے عوض افغانستان کی بدتر ہوتی صورتحال میں پاکستان کے موجودہ کردار سے مطمئن نہیں۔ ایران کے ساتھ اگر امریکہ کی محاذ آرائی ٹل جاتی ہے اور دونوں ممالک کے درمیان مفاہمت کے دروازے کھلتے ہیں تو یہ پاکستان پر مزید دباؤ کا سبب ہوگا۔ کیوں کہ ایران، افغانستان اور عراق کی دلدل میں پھنسے امریکہ کی بھرپور مدد کے عوض مراعات حاصل کرنے کی بہتر پوزیشن میں آرہا ہے۔ اور ایک بہترین خارجہ پالیسی کے باعث اگر صدر احمدی نژاد کا اب امریکی ویزے کے حصول کے بعد اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے اجلاس سے خطاب خلیج میں ایک نئے معرکے کو تو ٹالتا نظر آرہا ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ یہ پاکستان پر مزید دباؤ کا سبب بننے جا رہا ہے اور اس امریکہ ایران مفاہمت کی کوششوں اور سعودی عرب کے تعاون سے ترتیب پاتی نئی فلسطینی حکومت جہاں امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل میں موجود Elliot Abrams جیسے انتہا پسندوں کو پریشان کر رہی ہے۔ وہاں یہ تمام انتہا پسند قوتیں خود افغانستان اور شمالی قبائلی علاقوں میں صدر مشرف کے کردار پر بھی مطمئن نہیں۔ چنانچہ غالب امکان یہی ہے کہ اس محاذ کے بند ہونے کی صورت میں واشنگٹن کے تیور اسلام آباد کے لیے مزید بگڑیں گے۔

''میرے مطابق'' ملک کا موجودہ بحران براہِ راست نہ سہی لیکن کسی نہ کسی حد تک اس دباؤ کی ابتداء ضرور ہے جس کا اشارہ حکومت میں شامل کئی اہم شخصیات کا اس بحران کے دوران خود کو لاتعلق کر لینا ہے۔ صدر مشرف نے درست کہا کہ تمام تر غلط اقدامات کی ذمہ داری ان پر ڈالنا غلط ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ جہاں تمام تر قوت کا ارتکاز بھی صدر ہی کی ذات تک ہے، وہاں انھیں اس الزام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ انھیں یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔ ان کے ارد گرد جمع سیاسی مشیرانِ گرامی انھیں اس ''نظام'' کا دیا ہوا تحفہ ہیں، ان کے وفادار دوست نہیں۔ یہ سب پہلے کسی اور کے جاں نثار تھے اور آئندہ کسی اور کے حاشیہ بردار ہو سکتے ہیں۔ ان میں اکثریت کی خاموشی اور ہچکچاہٹ وہ اشارہ ہے جو صدر مشرف کو سمجھنا چاہیے۔ امریکہ کو چیف جسٹس یا انتخابات کے شفاف ہونے سے نہیں، افغانستان سے دلچسپی ہے۔ وہ آپ کو بہت کچھ دے کر جواباً آپ سے اس سپردگی کا متقاضی ہے جس سے آپ کو ہچکچاہٹ ہے۔ خارجی اور داخلی دونوں طرف دباؤ بڑھنے جا رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ پرکشش سیاسی نقشہ جس کے مطابق صدر مشرف کو اگلے کچھ عرصے میں موجودہ اسمبلیوں سے دوبارہ منتخب ہو کر انھیں توڑ کر نئی پارلیمنٹ کا انتخاب اور پھر اس سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا تھا۔ ابھی سے عدلیہ کے حالیہ بحران اور قانونی موشگافیوں کی نذر ہو چکا ہے۔ بے نظیر بھٹو خود کو بہتر ڈیل کی پوزیشن میں لا رہی ہیں۔ وہ براہِ راست صدر مشرف کے استعفیٰ اور وطن واپسی کے بجائے صرف یہ پیغام دے رہی ہیں کہ طالبان کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف ان کی شمولیت کے بغیر فتح ناممکن ہے۔

شراکت اقتدار اور ان قوتوں سے خود کو الگ رکھ رہی ہیں جو اس وقت واشنگٹن میں بہت زیادہ قابل قبول نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میاں نواز شریف کو پچھلے دنوں دبئی میں عین تب پہنچنا تھا جب یہاں سے محترمہ کی فلائیٹ امریکہ کے لیے روانہ ہو چکی ہوتی۔ ہیتھرو ایئر پورٹ پر غیر متوقع ہڑتال کے باعث پروازیں اس طرح تاخیر کا شکار ہوئیں کہ دونوں سابق وزرائے اعظم گھنٹوں تک دبئی میں موجود رہے لیکن ایک دوسرے سے گفتگو سے پرہیز کیا اور شاید یہ بات بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا امر ہو کہ شہباز شریف اور اسحاق ڈار سمیت دیگر کئی رہنماؤں کے برعکس میاں نواز شریف کو امریکہ کا ویزا نہیں مل سکا۔ اسفند یار ولی خان کی یہاں محترمہ سے ملاقات بھی اہم ہے اور وہ بڑی حد تک محترمہ کے موجودہ حالات میں نظریاتی حلیف ہیں اور صدر مشرف کے کئی قریبی ساتھی بھی۔ مسلم لیگ ''ق'' پر تکیہ کیے جانے کے بجائے محترمہ سے مفاہمت کے لیے کوشاں ہیں اور ان ٹریک ٹو مذاکرات کے لیے گزشتہ کئی ماہ سے لندن اور اسلام آباد سے دبئی آتی پروازوں میں مسافروں کی فہرست بڑی دلچسپ ہے۔ محترمہ بہر صورت انتخابات سے پہلے وطن واپسی پر اصرار کر رہی ہیں اور انھوں نے بلاول اور بختاور دونوں کو امریکہ کی اہم درس گاہوں میں داخل کروا دیا ہے جب کہ چھوٹی آصفہ انھی کے ساتھ رہے گی۔ فی الحال یہ کہنا مشکل ہے کہ بلی چوہے کے اس کھیل میں کیا نقشہ ابھرے گا تاہم یہ طے ہے کہ اگلے چند ماہ کسی بھی طور پر سکون گزرنے کے امکانات یوں معدوم ہیں کہ یہ انتخابات کا سال ہے۔ ان انتخابات کا...... جن کی تیاری ابھی سے ڈرائنگ روموں، کئی دارالحکومتوں اور سڑکوں پر شروع ہو چکی ہے۔ یہ طے ہے کہ Establishment محترمہ کو ان کی شرائط پر واپس نہیں آنے دے گی اور دینی، سیاسی جماعتوں اور مسلم لیگ نواز شریف کو ان پر کہیں زیادہ فوقیت دے گی۔ صدارتی انتخابات اور انتخابی مہم کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس طویل سماعتی مراحل سے گزرے گا۔ ہر ہر لمحے پر Establishment سیاسی اور مذہبی جماعتیں اور غیر ملکی قوتیں اپنا اپنا کھیل کھیلیں گی؟ صدر اپنے اس بیان پر خود کہاں تک متفق ہیں کہ یہ تمام احتجاج سیاسی جماعتیں کر رہی ہیں۔ میں اس نقطۂ نظر سے شدید اختلاف کرتا ہوا صرف یہ عرض کروں گا کہ سیاسی جماعتیں اس بحران کو مستقبل میں کوئی شکل شاید دے سکیں۔ لیکن اس وقت وہ بڑی حد تک آپ کے ہم رکاب ہیں۔ صدر مشرف کے لیے اگلے چند ماہ اہم ہیں۔ فیصلہ وہ کیا کریں گے۔ یہ وقت ہی بتائے گا لیکن وہ مشورہ ایک بار پھر کہ آپ کو دیئے گئے کئی مشورے ردّ کر دینا ہی اس وقت آپ کی طاقت ہوگا'' چاہیں تو وہ اس مشورے کو بھی ردّ کر دیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۲۱؍ مارچ ۲۰۰۷ء)

© rasailojaraid.com